"فتح الباری اور عمدۃ القاری" میں مباحث "اعراب ولغات القرآن" کا تجزیہ وتقابل

Analysis and Comparison of Diacritic and Dictionaries In the Fathulbari and Umdatulqari

Hafiz Muhammad Khalid
PhD Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore
hmkhalid.pu@gmail.com
Hafiz Muhammad Azhar Usama (Corresponding Author)
Lecturer, Department of Islamic Studies, the University of Lahore, Lahore, Pakistan
muhammad.azhar@ais.uol.edu.pk

Abstract

The research on analytical study regarding the subjects of Holy Quran, particularly in the light of Fathul Bari and Umda tul Qari is an arduously task because both books being interpretations of Sahih Bukhari are also the interpretation of Hadith as well. It is fact that the subjects of Holy Quran are discussed in Fathul Bari and UmadtulQari frequently. In the interest of serving the Qur'an, there are some incompetent people who dive into this sea who are unfamiliar with the nuances of the Arabic and the dictionaries of the Qur'an and are flourishing in the name of Qur'anic exegesisIgnorance of the Qur'anic Arabic terminology and ignorance of the subtleties of the Qur'anic dictionaries throws man into the darkness of further ignorance. The debate over the Arabic Qur'an and its dictionary is one of the debates. The great imams of the dictionary have made it a topic of discussion on this subject in which Imam Ragheb Isfahani and others do not need any introduction. We will now explain what researches Ibn Hajar Asqalani and Allama Badruddin Aini have included on this subject. In the discussion of Arabic and Qur'anic dictionary, word and sentence are discussed whether the word is based or ma'rib, verb or subject or object, forms are discussed on the sentence whether the sentence is news or noun, in the discussion of pronouns who is the source of these pronouns, and so on and so forth. All this research is very important for a translator and interpreter.
Keywords: *Analysis, Comparison, Diacritic, Dictionaries, Scriptuers, Fathulbari, Umdatulqari*

اللہ رب العزت کی وہ عظیم نعمت جسے بندوں کی تذکیر وہدایت کے لیے اتارا گیا وہ قرآن مجید ہے جس کے اندر خالق کائنات نے بیش بہا علوم کا خزانہ رکھ دیا ہے کیونکہ اس لاریب کتاب میں موجود حکمتیں ہمیشہ کے لیے رہنے والی ہیں۔ قرآن مجید واحد ایسی لاریب کتاب ہے جس کے زمانہ نزول سے ہی مختلف مفکرین اور مفسرین اس کتاب ہدایت پر اپنی رغبت اور دلچسپی دکھاتے چلے آئے ہیں۔اور انہوں نے قرآنی متن میں اپنی اپنی رغبت اور طاقت کے حساب سے حصہ ڈالا جس کی وجہ سے اس لاریب کتاب کے بارے میں مختلف جہتیں آشکار ہوئیں اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا آج کل کے اس پر فتن دور میں خدمت قرآن کے شوق میں کچھ ایسے نااہل لوگ بھی اس سمندر میں غوطہ زن ہیں جو اعراب اور لغات القرآن کی باریکیوں سے ناواقف ہیں اور تفسیر قرآن کے نام پر ایسے عجب گل کھلا رہے ہیں۔اس کی مثال بیان القرآن بھی دی جاسکتی ہے جس میں ترجمہ ایسا کیا گیا ہے جس کا عربی زبان اور اسکے محاورات سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ قرآنی اعراب کی اصطلاحات سے ناواقفیت اور لغات القرآن کی باریک بینوں سے لاعلمی انسان کو مزید جہالت کے اندھیروں میں پھینک دیتی ہے بیان القرآن کے ترجمے کی کچھ مثالیں درج کی جاتی ہے۔ موصوف بیان القرآن۔ **والعدیات ضبحا** کا ترجمہ دنیا کی طلب میں دوڑنے والے جوہانپ اٹھتے ہیں۔ کیا ہے۔ **فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا** (پس اس دولت کو چھپا کر جمع کرتے ہیں) **فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا** کا ترجمہ (پھر صبح کے وقت دیر تک سوتے ہیں) کیا گیا ہے۔اسی طرح **وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ** کا ترجمہ (اور ان کے ہاتھیوں کے مقابلے میں تیز رفتار اونٹوں کے جھنڈ بھیجے) کیا گیا ہے۔اس طرح کی بے شمار مثالیں بھی موجود ہیں جن میں صریح لغوی اور معنوی تحریفات کی گئیں ہیں۔ علماء کو اس علم اور بصیرت سے محروم ایسی کاوشوں پر خاموش نہیں رہنا چاہیے۔اور پھر خاموشی بھی ایک قسم کا جرم ہے۔

اعراب و لغات القرآن کا مفہوم:

اعراب سے مراد کسی بھی کلمہ یا جملہ کی بناوٹ اور اسکی ادائیگی کا طریقہ کار ہے کیونکہ جملہ میں تین ارکان ہوتے ہیں کیونکہ جملہ دو قسم سے خالی نہیں ہوتا جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ یہ دونوں جملے ہی کسی کی بات کو معانی کا شرف بخشتے ہیں۔ اگر ان جملوں کے ہی اجزاء فعل فاعل اور مفعول یا مبتداء اور خبر نہ ہو تو پھر معانی مکمل نہیں ہوتے اور نہ ہی سننے والے کو کسی چیز کی خبر مل سکتی ہے۔ جملہ فعلیہ میں فعل فاعل مفعول ہوتے ہیں۔ جیسے **ضَرَبَ زَيْدٌ عُمْرواً**۔ اس جملے میں ضرب فعل زید فاعل اور **عمرواً** مفعول ہے۔ پھر غور کریں کہ اس مثال میں فعل ماضی اور فاعل زید مرفوع ہے اور مفعول عمرواً منصوب ہے کیونکہ ایک اصول ہے نحوی کہتے ہیں **کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب**۔ یعنی ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے اور ہر مفعول منصوب ہوتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ فاعل منصوب ہو جائے اور مفعول مرفوع ہو۔ اعراب القرآن کو جانے بغیر کوئی مترجم بھی

ترجمہ صحیح نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات ضمائر اس کا فاعل یا مفعول بنتی ہیں تو اس فن کو جاننا بھی ایک مفسر یا مترجم کیلئے ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر تراجم میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے بعض اوقات ایک جملہ یا گفتگو کے سیاق وسباق میں فاعل یا مفعول مقدر ہوتے ہیں یا بعض اوقات محذوف ہوتے ہیں۔ اب اگر مترجم یا مفسر کو معلوم ہی نہیں کہ اس کا فاعل کس سیاق وسباق میں موجود ہے تو وہ ہمیشہ غلط ترجمہ ہی کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ترجمان القرآن کے لقب سے معروف ہیں مگر مجاہد رحمہ اللہ راوی کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا (**فاطر السمٰوٰت**) کا صحیح مفہوم میرے ذہن میں نہیں آ رہا تھا حتی کہ دو اعرابی ایک کنویں کے متعلق نزاع میرے پاس لائے۔ ان میں سے ایک نے اپنے حق ملکیت کے ثبوت میں کہا: (**انا فطرتھا**) کہ اس کنویں کو پہلی مرتبہ میں نے کھودا ہے۔ یہ کلمہ سن کر میری مشکل حل ہو گئی اور (**فاطر السمٰوٰت**) کا صحیح مفہوم میں نے سمجھ لیا۔ صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں عدی بن حاتم کا قصہ مشہور ہے جو دلچسپ بھی ہے یعنی کہ جب آیت کریمہ "**حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ**" نازل ہوئی تو عدی کا بیان ہے کہ میں نے سیاہ اور سفید دو عقال اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے کہ جب دونوں ایک دوسرے سے ممتاز نظر آنے لگیں گے تو کھانا پینا بند کر دوں گا، آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا "کہ اس سے مراد تو صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی ہے۔ علم لغت سے متعلق یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ زبانوں کا سب سے زیادہ علم انبیاء کو ہی دیا گیا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ قرآن پاک میں غیر عربی الفاظ ہیں تو ان کی حیثیت بہر حال وہ نہیں جو اردو یا عربی میں انگریزی یا انگریزی میں جرمن اور فرانسیسی زبانوں کی ہے۔ ان کی حیثیت یہ بھی نہیں کہ غیر عربی الفاظ کا نام دے کر کوئی فنی گفتگو کی جائے کیونکہ عرصہ دراز سے طرح طرح کے کثرت استعمال کی بنیاد پر ایک لفظ مدخول زبان کا مزاج پا لیتا ہے اس لیے اسے غیر زبان کا لفظ نہیں کہا جائے گا الا کہ اس لفظ کا اصل رنگ اور اس کی پوری غیریت موجود ہو۔ ماہر لسانیات کے نزدیک عربی کا کوئی لفظ بھی (ب)، (س) اور (ت) کو جمع کر کے نہیں بنتا لہٰذا اگر یہ ایک لفظ میں ہو جائیں تو یہ لفظ دخیل میں سے ہے۔ مثلا بستان کا لفظ فارسی زبان کا ہے۔ قدیم دور کے عرب ماہر لسانیات کا کہنا ہے کہ (س) اور (د) کے حروف عربوں کے کلام میں جمع نہیں ہوتے۔ مثلاً الساذج اور الاستاذ۔ ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری کی تالیف "الصحاح کے مطابق اگر کسی لفظ میں (ط) اور (ج) کے حروف جمع ہو جائیں تو وہ غیر عربی لفظ ہو جائے گا۔ اسی طرح (ت) اور (ط) بھی عربوں کے کلام میں ایک لفظ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مثلاً لفظ **الطست** علاوہ ازیں اصلا عربی کے لفظ میں (ک) اور (ج)، (ک) اور (ق) جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کسی لفظ میں اگر (ل) کے بعد (ش) آ جائے تو وہ عربی لفظ نہیں ہوگا۔ علم عروض اور ماہرین لسانیات نے الفاظ کے عربی ہوتے ہونے یا نہ ہونے کی جانچ کے لیے

اوزان کا بھی استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک بعض اوزان ہیں جو عربوں کے کلام میں نہیں آتے۔ مثلاً فاعل کے وزن پر کابل "**فعالل**" کے وزن پر **سرادق** اور **فعلل** کے وزن پر نرجس۔ البتہ مذکورہ الفاظ کا جمع ہونا کسی لفظ کے غیر عربی ہونے کو جانچنے کے لیے واحد پیمانہ نہیں بلکہ یہ محض ایک عمومی فوری لاگو کیا جانے والا معیار ہے۔ ایسے بہت سے غیر عربی الفاظ ہیں جن پر یہ پیمانہ لاگو نہیں ہوتا کیونکہ ان الفاظ میں مذکورہ حروف جمع نہیں ہوتے۔ واضح رہے کہ عربی زبان کے دخیل یا معرب الفاظ عربوں کے کلام کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس حوالے سے دخیل حروف کو اصلی حروف سے تبدیل کر دیا گیا۔ اسی طرح لفظ کو تبدیل کیا گیا تاکہ وہ منقول زبان کے قریب ترین ہو۔ ان ترامیم کے بعد معرب الفاظ عربی زبان کی لفظی ثروت کا حصہ بن گئے بلکہ تحریر و تخاطب اور بیان میں راسخ ہو جانے کے باعث ان میں بہت سے الفظ سے بے نیازی نہیں برتی جاسکتی۔ "بات "اس کی اصل " وارتا" یا "ورت" سنسکرت ہے۔ مگر کسی کو سنسکرت کا گمان بھی نہیں ہوتا الا کہ تاریخ ادب کے طور پر اسے بیان کر دیا جائے۔ اسی طرح "ابا، اماں" کی اصل بھی اب اور اُم بتائی جاتی ہے۔ عربی غیر عربی کی اس بحث میں ایک شبہ قرآن میں مذکور چند ناموں کے حوالے سے بھی ہے تو ہمیں یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ ناموں کا استعمال اصل زبان اور غیر زبان کی بحث سے مکمل طور پر خارج ہے۔ عربی زبان میں غیر عربی یا عجمی الفاظ کا شامل ہونا ایک وسیع موضوع ہے جس کو قدیم تصنیفات میں بڑی جگہ دی گئی۔ موضوع کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر ماہرین لسانیات نے اس کو بھرپور توجہ دی۔ عربی زبان کے بہت سے مؤلفین نے ان الفاظ کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے جو درحقیقت بنیادی طور پر غیر عربی الفاظ ہیں اور عربی زبان میں داخل ہو کر دخیل یا معرب الفاظ کہلاتے ہیں۔ خواہ یہ الفاظ قرآن کریم، احادیث مبارکہ، دور جاہلیت کی شاعری یا اسلام آنے کے بعد کی ادبی کاوشوں اور تصنیفات میں وارد ہوئے ہوں۔

ابو منصور الجوالیقی (اصلی نام: موہوب بن احمد بن محمد 465-540 ھجری) نے اپنی کتاب **المعرب من الکلام الاعجمی علی حروف المعجم** میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ الجوالیقی نے ادب کے قدیم عرب راویوں اور ماہر لسانیات کے حوالے سے ایسے الفاظ کی بڑی تعداد کو جمع کیا جو عربی زبان میں بولے جاتے ہیں جب کہ ان کی اصل عجمی ہے یعنی وہ عربی زبان میں داخل کر لیے گئے ہیں۔ تاہم انہوں نے کتاب میں ایک خصوصی باب باندھا ہے جس میں لفظ کی شناخت کی گئی ہے کہ آیا وہ اصلا عربی ہے یا نہیں۔ اس واسطے مخصوص حروف کے طریقہ کار کو استعمال کیا گیا اور لفظ کے معنی کی روشنی میں ان کے بنیادی طور پر ہونے کی جانب اشارہ کیا گیا۔ ان حروف کے ساتھ الفاظ معرب یا دخیل بن جاتے ہیں۔ الجوالیقی نے کئی عربی حروف کو ایک فہرست میں شامل کیا ہے جو ایک لفظ میں جمع ہو جائیں وہ الفاظ عجمی الفاظ شمار ہوتے ہیں۔ الجوالیقی کے مطابق کسی بھی عربی لفظ میں (ج) اور (ق) جمع نہیں ہوتے، یہ جب بھی کسی لفظ میں ساتھ آئیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ لفظ دخیل یا

معرب ہے۔ مثلاً یہ الفاظ : **جوندق ، اجوق، الجوق** اور **القبج**۔ اسی طرح اگر کسی لفظ میں (ج) اور (ص) ساتھ جمع ہو جائیں تو یہ غیر عربی لفظ ہوگا۔ ایسے مشہور الفاظ کی مثال "**الجصن**"۔" **الصولجان**" اور "**الصھریج**" ہے۔ کئی عربی مادوں کے ایک سے زیادہ معانی ہوتے ہیں اور بعض مادوں کے کئی کئی ابواب بنتے ہیں جس کی وجہ سے باب کی تبدیلی کی وجہ سے معانی بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان ابحاث پر تفصیلی کتب سلف صالحین لکھ چکے ہیں جن میں المنجد، مفردات القرآن اور مترادفات القرآن زیادہ اہم ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن حکیم لغت میں خود مختار ہے اور اسے لغت پر فوقیت حاصل ہے اسکی اپنی لغت ہے اور لغت میں یہ کسی کا بھی محتاج نہیں بلکہ لغات قرآن حکیم کی محتاج ہیں اس لیے یہ ضروری نہیں کہ جو معنی لغت میں موجود ہیں کھینچ تان کر وہی معنی قرآن حکیم سے نکالنے کی کوشش کی جائے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ قرآن حکیم الفاظ کے جو معانی بیان کرتا ہے وہ لازمی طور پر اس لغت میں موجود ہوں۔ لغات القرآن کی سب سے بہترین کتاب محمد مُراد عبدالباقی مصریؔ کی کتاب، ''**المعجم الفھرس**'' اور یہ لغت کی مایہ ناز کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ کتب کے ساتھ ساتھ اس فن کا تعلق ترجمہ کے ساتھ ساتھ بھی ہے۔ لغت کے تالیف عمل کے شروع میں جس مترجم کا ترجمہ زیادہ موزوں سمجھا گیا وہ لکھا گیا مگر تالیفی عمل جب عروج پر پہنچا تو بوقت انتخاب تراجم کا باہم بھرپور مقابلہ و موازنہ ہونے لگا، اس مقابلے میں بالآخر صرف احمد رضا، عبداللہ یوسف علی اور غلام احمد پرویز گئے بلکہ میں ایمان کو حاضر ناظر جان کر یہ بات تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میدان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے جیت لیا۔ آپ رحمۃ اللہ کا ترجمہ کنزالایمان لغوی و معنوی لحاظ سے تمام تراجم سے بہتر پایا گیا۔ آپ کے ترجمے میں لغوی اسرار و رموز کے ساتھ ساتھ تفسیری جھلک نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنے ترجمہ میں قرآنی الفاظ کے انتہائی موزوں اور برمحل لغوی و شرعی معانی بیان کرنے میں سب سے زیادہ علمی مہارت اور قرآن فہمی کا اظہار کیا ہے۔ اس کارکردگی کی بنیاد پر آپ کو ''ترجمان القرآن'' کہا جاسکتا ہے۔ حال ہی میں عالم اسلام کی معتبر ترین قدیم تعلیمی درسگاہ جامعہ الازہر، مصر کے شیخ علامہ دکتور سیّد طنطاوی کی سرپرستی میں اسلامی تحقیقاتی مرکز مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ نے لغت و تفاسیر کی روشنی میں کنزالایمان کا جائزہ لیا۔ جمہور علماء کی نمائندگی کرنے والی اس مادر علمی نے بھی اپنی علمی تحقیق کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا کہ کنزالایمان ہی لغوی و شرعی اعتبار سے بہترین اور قابل اعتماد ترجمہ قرآن ہے۔[1] لغات قرآن کو لکھنے کے مختلف سٹائل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک مادوں کے ثلاثی مجردات کے ذریعے ان الفاظ پر بحث کی جاتی ہے۔ ح ور، خ ل ف، ج ل ق، دع و، ر ب ب، روح، س ب ح، س م و، س وی، ض ل ل، ظ ھ ر، ع ب د، ق ب ل، ق د ر، ک ف ر، ن ط ف، وح ی، وض ع، ول ی اور ی وم وغیرہ وغیرہ۔

ایک تحقیق کے مطابق ترجمہ قرآن میں لغوی اور شرعی (اصطلاحی) دونوں قسم کے معانی کا کردار تقریباً مساوی طور پر بالترتیب 49% اور 51% ہے۔ تاہم جب کسی لفظ کے ضمن میں دونوں معانی ترک کرکے مجموعی

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں شرعی معانی متعین کرنا ضروری ہوتا ہے (مثلاً ا ب ق، ذ ی، ت ج ر، خ دع، دع، س ب ح، م ک، ن ح ر، ل ل وغیرہ) ترجمے کی اس تنگ ناکافی کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ میں ترجمہ قرآن پر بہت کم توجہ دی گئی (صرف دو ترجمے ہوئے، شیخ سعدی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہم) مگر ترجمے کی نسبت لغت پر زیادہ توجہ دی گئی اور لغت کے مقابلے میں تفاسیر بے شمار لکھی گئیں۔ لغت و تفسیر میں ایک لطیف فرق یہ ہے کہ لغت کا تعلق الفاظ کے صرف لغوی معانی بیان کرنے تک ہوتا ہے جبکہ تفسیر میں نہ صرف قرآنی آیات کا شانِ نزول بیان کیا جاتا ہے بلکہ قرآنی الفاظ کے لغوی معانی کے ساتھ ساتھ شرعی معانی بھی بیان کیے جاتے ہیں مثلاً لغت میں لفظ "صلوٰۃ" کے ص ل و کے لغوی معانی ہیں دُعا، تعریف، تعظیم اور آگ کی گرمی برداشت کرنا جبکہ قرآن مجید نے مذکورہ لغوی معانی کے علاوہ اس مادے کے جو شرعی معانی بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں: نماز، رحمت اور عبادت گاہ۔ فی زمانہ ترجمہ قرآن کی کلاسز اور قرآن فہمی کے مختلف کورسز کے اجراء پر توجہ دی جارہی ہے۔ یہ ایک اچھی صورتحال ہے تاہم ان کلاسز کے اساتذہ اور کورسز کے منتظمین شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے سے مختلف معانی بیان کرنے والوں کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً لفظ "ولی" کے مادہ و ل ی کے بیسیوں معانی ہیں۔ ان میں سے ایک معنی "حکمران" بھی ہے۔ ان تمام معانی کا موقع و محل کے مطابق صحیح اور موزوں استعمال مترجم اہم اور نازک ترین ذمہ داری ہوتی ہے ورنہ اس سلسلے میں ہونے والی معمولی کوتاہی قرآن مجید کے معانی و مطالب میں تحریف بن جائے گی جس طرح عربی کا محاورہ **ستبهل الوالي الرعية** (حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا) کی بنیاد پر یہ کہہ بیٹھے کہ قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنانے سے منع نہیں کیا بلکہ "حکمران" بنانے سے منع کیا ہے؟ اکیسویں صدی کے اس "روشن خیال اجتہاد" سے قرآن مجید کے اٹل اصول کی نفی ہو گئی جس کے ردعمل میں پرنٹ میڈیا میں اس کے خلاف باقاعدہ علمی و فقہی بحث کا آغاز ہو گیا قرآن فہمی کے ساتھ اس طرح کے رویے ایک ایسا افسوس ناک پہلو ہے کہ جس نے قرآنی فہمی کے چاند کو گہنا دیا ہے۔ اس منفی طرز فکر و عمل کی وجوہات میں قرآنی الفاظ کے تہ در تہ معانی و مطالب سے عدم واقفیت قرآن کے جامع مطالعہ کا فقدان اور عربی و فارسی لٹریچر کے گہرے ادراک کی کمی شامل ہیں۔ مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکتہ الآراء تفسیر روح البیان میں سورۂ عبس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ایک امام مسجد ہر نماز میں تقیص کی نیت سے سورۂ عبس پڑھا کرتا تھا۔ جب آپ کو اس معاملے کی اطلاع ملی تو آپ نے اس امام مسجد کو بلوا کر قتل کروا دیا کیونکہ آپ کو اس کی نیت اور دوامی فعل سے حتماً معلوم پڑ گیا تھا کہ یہ منافق ہے جو عتاب الٰہی کو عذاب الٰہی سمجھتا ہے (ملاحظہ فرمائیں۔ ع ت ب) اور یوں قرآن کے معانی و مطالب بدل کر لوگوں کے دلوں میں ہمارے نبی محترم ﷺ کی قدر و منزلت کم کرنا چاہتا ہے۔ غلط نیت سے سورۂ عبس پڑھنے والے امام مسجد کی طرح غلام احمد پرویز نے بھی قرآن کے نام پر قرآن مجید کے مسلمہ معانی کو بدلنے کی کوشش کی ہے (ملاحظہ فرمائی: ح ب ر، ح و

ر، ز ک ا، ز ل م، ز ن ی، س ب ح، ص ل و، ن ج و، و ص ی) قرآن مجید کے معانی و مطالب کو اپنے مخصوص مقاصد (لیڈری، شہرت اور پیسہ وغیرہ) کی خاطر بدل دینے والے ایسے ہی دانشوروں، اماموں اور فقیہوں کے بارے میں حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبالؔ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ

خود کو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس قدر فقیہان حرم بے توفیق[2]

ہوسکتا ہے کہ آپ کو مؤلف کا "تردید کلمات" لکھنے کے باوجود پرویز کو Quote کرنا کچھ مناسب محسوس نہ ہو۔ واضح رہے کہ اس کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ہر قرآن پڑھنے پڑھانے والا اور قرآن فہمی کا دعویٰ کرنے والا دانشور، امام، عالم دین اور شیخ القرآن نہیں ہوسکتا اور نہ ہی نئی امریکی بدعت "فرقان الحق" (The True Furqan) کی خلیج میں امریکی فوجی ہیڈ کوارٹر قطر سے اشاعت اور اس کی گمراہ کن اور من مانی تشریحات کے ذریعے قرآن کے معانی و مطالب کو بدلا جاسکتا ہے کیونکہ متفق علیہ اُصول یہ ہے کہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ باہم لازم و ملزوم ہیں، آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہی قرآن اور دین کا "مرکز و محور" ہے، آپ ﷺ ہی کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کو ایک خدا اور قرآن حکیم کو اُس کا الہامی کلام مانا جاتا ہے اور خدا و قرآن کو ماننے کے باوجود آپ ﷺ کی ختم نبوت کے منکروں کو مسلمان ہی متصور نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی اس عظیم حیثیت اور قدر و منزلت کو تسلیم کیے بغیر قرآن پڑھنے پڑھانے والا کوئی امریکی پادری ہو، کوئی مرزائی یا قادیانی ہو اور خواہ کوئی پرویزی ہو سبھی ناقابل التفات، ناقابل اعتبار بلکہ لائق تردید ہیں۔ حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبالؔ علیہ الرحمہ کے بقول "خدا کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت آنحضرت ﷺ کی ذات ہے اور آنحضرت ﷺ کا سب بڑا معجزہ قرآن ہے جس نے عقل، مشاہدہ اور وجدان کو جمع کردیا ہے۔"

روح قرآں، جانِ ایماں، مغزِ دین ہست حبِ رحمۃ اللعالمینؐ

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نہ سیدی، تمام بولہبی است[3]

لوگوں کو جو نعمت حاصل ہوتی ہے لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ اب یہی دیکھ لو کہ ہم اتنی دور سے روزانہ کعبہ شریف میں آتے ہیں لیکن ہمیں اپنے یہاں آنے کی قدر نہیں ہے۔ اس کے بعد اچانک حیرانگی سے دیکھا کہ ہم کعبہ شریف میں ہی موجود ہیں، میں بیت اللہ شریف کے قریب گیا اور نیاز مندی کا شرف حاصل کیا۔ پھر میں حجر اسود کے پاس آیا جیسے ہی میرے ہونٹ حجر اسود کی لطیف حرارت محسوس کرنے لگے تو یکدم یہ مبارک منام اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ مبشرات کا یہ مشاہدہ شاہد ہے کہ قرآن مجید ایک ایسا مؤثر وسیلہ ہے (ملاحظہ فرمائیں:

ب ش ر، ب ل خ) کہ جو انسان کو خدا تک پہنچا دیتا ہے۔ صبح بیدار ہوا تو ایک ہی Point ذہن میں گھوم رہا تھا کہ ہم مسلمان قرآن حکیم جیسی عظیم نعمت حاصل ہونے کے باوجود نورانی و الہامی دولت کی عظمت سے ہی بے خبر ہیں اور ہمیں قرآن حکیم کی حقیقی قدر و قیمت کا احساس ہی نہیں ہے!!!

صاحب قرآن و بے ذوق طلب اَلْعَجَبْ ثُمَّ اَلْعَجَبْ ثُمَّ اَلْعَجَبْ[4]

یہ بات تو سب لوگ جانتے ہیں کہ قدرتی طور پر بچہ ابتداء میں صرف و نحو اور گرامر نہیں سیکھتا بلکہ الفاظ بولتا اور یاد کرتے جاتا ہے۔ پھر ماحول سے الفاظ کو لیتا ہے یہاں تک کہ الفاظ کی ڈھلائی کا علم بھی اسے بکثرت الفاظ کے یاد ہونے پر خود بخود آنے لگتا ہے۔ چند ماہ میں بچہ جب اپنی مادری زبان بولنے لگتا ہے تب بھی اسے گرامر کی اتنی شدید ضرورت نہیں پڑتی جتنی کہ بول چال میں حصّہ لینے اور الفاظ کا ذخیرہ بنانے کی ہوتی ہے۔ ذو معنی الفاظ کا محل بھی آدمی جب بول چال میں حصّہ لیتا ہے تب معلوم ہوتا ہے۔ بعض الفاظ ہر زبان میں کئی کئی معنی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن بول چال میں حصّہ لینے اور عبارت میں ان الفاظ کو دیکھ کر ہر آدمی اس کے معنی سمجھنے میں دشواری محسوس نہیں کرتا۔ البتہ عبارت سے ذو معنی لفظ کی علیحدگی اور بول چال کے ماحول سے دوری میں ہر شخص کو پریشانی ہونا قدرتی بات ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر لغات القرآن میں کوئی لفظ اگر ایک جگہ ایک معنی میں اور دوسری جگہ دوسرے معنی میں آیا ہے تو دوسری تیسری بار اسے لکھ کر عبارت کے لحاظ سے معنی لکھ دیئے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں بہت سے الفاظ دو یا تین معنی میں استعمال ہوئے ہیں، تو وہاں اس عبارت اور پوری آیت (سیاق و سباق) میں ایسا لفظ دیکھنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کس معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً **ما**، **تَوَلّٰی**، **حُسْن**، **اِحْسَان**، **حِسَان** وغیرہ ٹھیک اسی طرح ہماری زبان میں لفظ خلاص یا ختم ہوگیا، ہم کہتے ہیں تو عبارت سے اس لفظ کے تعلق کی بنیاد پر ہی معنی کا تعین ہوگا جیسے کہ پانی خلاص ہوگیا، مریض خلاص ہوگیا یا ختم ہوگیا، کاروبار ختم ہوگیا۔ اب فیصلہ فرمائیں کہ ہمارے روزمرہ کے معاملات میں ہم لوگ ایک لفظ خلاص اور ختم کو کبھی واقعی پانی کے ختم یا خلاص ہونے کو بولتے ہیں، لیکن یہی لفظ موت اور دیوالہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح کھانا پینا، چغلی کھانا، رشوت کھانا، مار کھانا، رحم کھانا، قسم کھانا، خوف کھانا، اب اگر کسی دیہاتی سے بھی ہم یہ کہیں کہ رحم کھاؤ، تو وہ اس کا مطلب روٹی کھاؤ کی طرح نہیں لے گا۔ لفظ سونا کو لیجیے، یہ نیند لینے کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور سونے کے زیورات کے لیے بھی۔ اور کون نہیں جانتا کہ ہم کسی سے کہیں کہ جایئے تو وہ اس کا مطلب چلے جایئے لے گا لیکن اندر آجایئے، بیٹھ جایئے کا مطلب تو تشریف لایئے ہوگا، یہاں "جایئے" کا مطلب کوئی بھی چلے جایئے نہیں لے گا۔ اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ ہر زبان میں ذو معنی الفاظ ہوتے

ہیں اور عبارت کے اعتبار سے اس کے معنی متعین کرنا دیہاتی گنوار بھی جانتے ہیں اور یہ بات تمام انسانی زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ عبارت سے الگ لفظ کے معنی بھی کچھ اور ہوتے ہیں اور کسی ایک عبارت میں آنے پر اس کے معنی خاص اور متعین طور پر ہوتے ہیں اور دوسری عبارت میں دوسرے معنی ہوتے ہیں۔ پس عاجز کا مقصد اس بحث سے یہ ہے کہ قرآن پاک کے معاملہ میں پوری عبارت دیکھنے کی مشق کرائی جائے یہ طریقہ فطرت کے موافق ہوگا۔ ایسا اس احقر کا خیال ہے۔

لغات القرآن کی چند مثالیں:

درج ذیل میں لغات القرآن کے بارے میں چند ایسی مثالیں درج ذیل ہیں جو مادہ، باب کے حساب سے ان کا مختصر معنی بیان کیے گئے ہیں۔

مادہ	باب	لغوی معنی	قرآنی استعمال		مختصر معنی
ا ب ب	ن ،ص	مشتاق ہونا، شدید رغبت رکھنا ---	فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا	۲۷/۸۰	جانوروں کی من پسند خوراک خشک چارہ جات
ا ب د	ض،ن	قائم رہنا، مستقلاً ٹھہرنا	خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا	۶۴/۹	ہمیشہ
ا ب ق	ن،ض	غلام کا چپکے سے بھاگ جانا آقا کو چھوڑ کر چلے جانا	إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ	۳۷/۱۴۰	ابق، غلام
ا ب ل	س	اُونٹ رکھنے میں ماہر ہونا	أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ طَيْرًا أَبَابِيلَ	۸۸/۷۱	اُونٹ
ا ب و	ن	باعث ---- باپ، دادا نیز اُوپر کی سب پشتیں	وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ	۲۸/۲۳	ابو ،باپ،ابّا و اجداد،والدین ،تربیت یا پرورش کرنا

اگر قرآن کی تفہیم کتاب وسنت اور اقوال صحابہ سے نہ ہو رہی ہو تو اس سلسلے میں لغت و محاورات عرب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے کیونکہ قرآن فہمی کے لیے صحابہ کرام اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں حضرت ابن

عباسؓ فرماتے ہیں: "الشعر دیوان العرب فاذا تعاجم علیناشیء من القرآن رجعنا الیه"[5] مگر لغت اور محاورات عرب سے قرآن فہمی ہر کسی کا کام نہیں، اس کے لیے عربی زبان کا خصوصی ذوق اور اہلیت شرط ہے۔ کیونکہ معاجم وقوامیس میں علمائے لغت نے جن اقوال کو جمع کیا اس میں احتیاط کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا بلکہ بلا اسناد جمع کر دیا خصوصاً اشعار امثال جن کو حضرت عباسؓ دیوان العرب قرار دے رہے ہیں اور علمائے ادبیات جانتے ہیں کہ ان کی نسبت میں اختلاف واختلاط کا بے حد دخل ہے اور شاذونادر ہی کوئی ایسی روایت ہو گی جس پر اعتماد ہو سکے۔ لغت کا تتبع کرتے وقت الفاظ مفردہ کے ان معانی کو سامنے رکھا جائے جو زمانہ نزول کے وقت مفہوم ہوتے تھے اور پھر قوانین اعراب و بلاغت سے اس ترکیبی معنی پر غور کیا جائے اور سیاق و سباق پر نظر ڈالی جائے اور پھر سیاق کلام سے معنی مقصود کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"لان الکلمة الواحدةتجئ في لغة العرب لمعان شتّي"[6]

لغت و محاورہ عرب سے جو تفسیر بھی کی جائے اس پر نظر ثانی کی جائے کہ کیا یہ تفسیر آنحضرت ﷺ کی ہدف وسیرت کے مطابق ہے اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور تفسیر صحابہ کے منافی تو نہیں ہے کوئی اور اجتماعی قواعد اور تاریخی حقائق سے کس حد تک مطابق رکھتی ہے۔ تمام تر غور وفکر اور مساعی اس بنا پر بھی ضروری ہیں کہ کتب لغت بہر حال کتب لغت ہیں ان سے الفاظ کا معنوی حل ہی مل سکتا ہے،

ان تصریحات کی روشنی میں ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ موارد استعمال کے تتبع سے کسی حد تک صرف مفردات کے حل میں مدد ملتی ہے ورنہ یہ ایسا ذریعہ نہیں کہ تفسیر کے دوسرے سرچشموں سے بے نیاز کر سکے، یہی وجہ ہے کہ جن علماء نے تفاسیر میں لغت و محاورات سے استفادہ کیا ہے اور لغوی تشریحات کے لیے شواہد تک کو چھان مارا ہے وہ بھی اپنی تفاسیر میں سنت اور اقوال صحابہ سے بے نیاز نہیں ہو سکے اور باوجود معتزلہ اور عقل پسند ہونے کے، حدیث نبوی ﷺ اور اقوال صحابہ کا سہارا ضرور لیتے رہے ہیں "الکشاف" زمخشری کے مطالعہ سے ہر صاحب علم یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس وقت کے اعتزال اور اس زمانہ کے اعتزال میں نظریاتی اختلاف پایا جاتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ ان کے اسلاف تو اعتزال کے ساتھ صفاتِ علم سے بھی متصف تھے اور معتزلہ کا موجودہ گروہ تدلیس وتلبیس میں تو شاطر نظر آتا ہے مگر صفاتِ علم سے عاری ہے۔ بعض علماء نے شرح غریب القرآن کا خصوصی اعتناء بھی کیا ہے مفردات راغب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس لیے اب ہم ان کتابوں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ غریب القرآن پر جن علماء نے خصوصی توجہ دی ہے ان میں سر فہرست حبرامت حضرت ابن عباسؓ کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ عطاء رحمہ اللہ مقدمہ الصحاح للجوہری میں لکھتے ہیں: "وکانوا یستعینون بالشعر وکلام العرب لبیان معانی القرآن وکان أول اتجاه للعنایة اللغویة هو رغبة دینیة محضة ولهذا نُسِبَ الی ابن عباس کتاب غریب القرآن"[7] غریب القرآن

کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ کے بعد ابان بن تغلب الجریری ۱۴۱ھ کا نام لیا جاتا ہے جو کہ قاری وفقیہ ہونے کے علاوہ لغت میں بھی عظیم پایہ رکھتے تھے اور علی بن علی بن حسین ابو جعفر اور عبداللہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، سیوطی لکھتے ہیں:"سمع من العرب والف غريب القرآن وذكر شواهدهمنا لشعر"[8]قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ الفاظ قرآنی کے معانی جانے جائیں، عربی زبان میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں تصنیف ہوئی ہیں جن میں بڑے بڑے آئمہ لغت شامل ہیں۔ زجاج، فراء، اخفش، ابو عبیدہ، ابن قتیبہ، ابوبکر ابن الانباری عزیزی اور علامہ راغب اصفہانی شامل ہیں

عمدۃ القاری اور فتح الباری میں اعراب و لغات القرآن کا استعمال:

اعراب القرآن اور اس کی لغت پر بحث ومباحثہ ایک معرکۃ الآراء مباحث میں سے ہے۔ اس موضوع پر بڑے بڑے کبار آئمہ لغت نے اس کو موضوع بحث بنایا ہے جن میں امام راغب اصفہانی اور دیگر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اب ہم اس بات کو بیان کریں گے کہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی نے اس موضوع پر کن کن ابحاث کو شامل کیا ہے۔ اعراب و لغت القرآن کی بحث میں لفظ اور جملہ پر بحث کی جاتی ہے کہ لفظ مبنی ہے یا معرب، فعل ہے یا فاعل یا مفعول، صیغہ جات پر بحث کی جاتی ہے جملہ پر یہ کہ جملہ خبریہ ہے یا اسمیہ، ضمائر کی بحث میں یہ کہ ان ضمائر کا مرجع کون ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری ابحاث ایک مترجم اور مفسر کے لیے بہت ضروری ہے۔اعراب ولغات القرآن کے حوالے سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

اس آیت مبارکہ میں لفظ "**اُوْتِيْتُمْ**" پر بحث کی جاتی ہے کہ "**اُوْتِيْتَ**" فعل مضارع کی جگہ غائب کا صیغہ بھی استعمال ہوا ہے۔ علامہ بدرالدین اس حوالے سے اس کے بارے میں فرماتے ہیں:’’"يعني اوتوا بصيغة الغائب وليست هٰذا القراءة في السبعة لا في المشهورة"۔[9]کہتے ہیں کہ ’"**اوتوا**" غائب کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے لیکن غائب کے صیغہ والی قرأت سبعہ میں نہیں نہ ہی مشہور قرأت میں ہے۔کتاب الوضوء میں علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"إلى المرافق - جمع مرفق بكسر الميم وفتح الفاء وعلى العكس وهو مجتمع طرف الساعد والعضد قلت الأول هو اسم الآلة كالمحلب والثاني اسم المكان ويجوز فيه فتح الميم والفاء على أن يكون مصدرا أو اسم مكان على الأصل"[10](**الى المرافق**) کا اعراب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (**مِرَافَق**) میم کے کسرہ کے ساتھ اورف کے فتح کے ساتھ ہے یا پھر اس کا اُلٹ یعنی میم کے فتح کے ساتھ اور ف کے کسرہ کے ساتھ یعنی (**مرافِقْ**) پہلے معنی میں اسم آلہ اور دوسرے معانی میں اسم مکان بنتا ہے اور فرماتے ہیں کہ

اس میں میم کی فتحہ کے ساتھ اور ف کی بھی فتحہ کے ساتھ بھی یعنی **(مرافَقْ)** پھر یہ مصدر ہوگااور اسم مکان ہوگا۔ گویا کہ علامہ بدرالدین عینی نے لفظ (مرافق) میں تین لغات **مِرَافَقْ، مَرَافِقْ، مَرَافَقْ** کردیں اور بتا بھی دیا پہلی صورت میں اسم آلہ دوسری صورت میں اسم مکان اور تیسری صورت میں مصدر ہوگا۔اسی طرح **(وارجلکم الی الکعبین)** کااعراب بھی بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: "بنصب اللام وخفضها فالنصب في قراءة نافع وابن عامر والكسائي ـ وأرجلكم - بالخفض وتأولوها على المسح"[11] اگر **(ارجلکم)** نصب کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ دھونا ضروری ہے اور اگر **(ارجلکم)** کسرہ کے ساتھ تو اس کا مطلب پاؤں پر مسح کرنا ہے۔اس کے اعراب کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ **ارجلکم** زبر لام کے ساتھ پڑھا گیا اور اس کا عطف **ایدیکم** پر ہے۔ زیر کی قرأت مسح کرنے پر محمل ہے اور زبر کی قرأت پاؤں دھونے پر محمل ہے۔[12]

أو كصيب من السماء کا اعراب:

(کصیب) کے اعراب میں کافی اختلاف ہے کیونکہ اگر اس کو صاب کا مضارع مُراد لیا جائے تو اس کے معانی مختلف ہوجاتے ہیں اس کی اعرابی بحث کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "وقد استشكل من حيث إن يصوب مضارع صاب وأما أصاب فمضارعه يصيب"۔[13] فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں کافی اشکال ہیں کہ اصاب یصیب مجرد اور مزید دونوں کا ایک معنی ہے یعنی اتارنا اور صیب اصوف واوی سے مشتق ہے یعنی صوب سے جس کا معنی بلندی سے نیچے آنے کا ہے اور اس کے فعل اس طور سے مستعمل ہیں صاب یصوب واصاب یصیب) اس کے بارے میں مزید فرماتے ہیں: "وهو من صاب يصوب فلعله كان في الأصل وانصاب كما حكاه صاحب المحكم فسقطت النون كما سقطت ينصاب بعد يصوب-----"[14] خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مجرد اور مزید فیہ دونوں کا معنی اتارنا ہے اور مینہ کا برسنا ہے جبکہ اگر "صیب" اجوف واوی ہو تو پھر اس کا معنی بلندی سے نیچے اُترنا ہے۔ اس بحث میں ابن عباس کے کلام میں فقط صیب کا معنی بیان ہوا ہے اور دوسروں کے کلام میں اس کے اشتقاق کا معنی بیان ہوا ہے کہ اس کا اصل کیا ہے اور کسی لفظ سے مشتق ہے۔اس کے اعراب و تعلیل کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی ارشاد فرماتے ہیں: "قَالَ غير ابْن عَبَّاس كَأَنَّهُ يُشِير بِهِ إِلَى أَن اشتقاقه من الأجوف الواوي وَلَكِن لَا يُقَال أَصَاب يصوب وَإِنَّمَا يُقَال صاب يصوب وَأَصَاب يُصِيب وَقَالَ بَعضهم لَعَلَّه كَانَ فِي الأَصْل صاب وانصاب كَمَا حَكَاهُ صَاحب الْمُحكم فَسَقَطت النُّون قلت لَا يَزُول بِهَذَا الْإِشْكَال بل زَاد الْإِشْكَال إشْكَالًا لِأَنَّهُ لَا يُقَال انصاب يصوب بل يُقَال انصاب ينصاب انصبابا وَالظَّاهِر أَن النساخ قدمُوا لَفْظَة أَصَاب على لَفْظَة يصوب وَمَا كَانَ إِلَّا صاب يصوب وَأَصَاب وَأَشَارَ بِهِ إِلَى الثلاثي الْمُجَرّد

والمزيد فِيهِ وَقد قُلْنَا أَنه أجوف واوي وأصل صاب صوب قلبت الْوَاو ألفا لتحركها وانفتاح مَا قبلهَا ويصوب أَصله يصوب بِسُكُون الصَّاد وَضم الْوَاو فاستثقلت الضمة على الْوَاو فنقلت إِلَى مَا قبلهَا فَصَارَ يصوب وأصل صيب صيوب اجْتمعت الْوَاو وَالْيَاء وسبقت إِحْدَاهمَا بِالسُّكُونِ فقلبت الْوَاو يَاء وأدغمت الْيَاء فِي الْيَاء كسيد وميت"[15] مذکورہ بالا عبارت میں بدر الدین عینی نے یصیب کی تعلیل کی تفصیل بتادی کہ کیسے یہ لفظ بنا۔

قل ھواللہ احدکی قرأت میں اعراب کا اختلاف:

(احد) پر تنوین پڑھی جائے گی یا نہیں اس قرأت کی کے بارے میں اختلاف ہے۔امام فراء کہتے ہیں کہ احد کو تنوین کے بغیر پڑھا جائے گا وہ کہتا ہے کہ یہ نون اعراب کا ہے جب اس کے بعد الف اور لام آئے تو حذف کیا جاتا ہے اور یہ لازم نہیں۔**نصر بن عاصم اور یحیی بن ابی اسحاق** نے بھی اس کو بغیر تنوین کے پڑھا ہے اور کبھی تنوین کو حذف نہیں کرتے یعنی اللہ احد کہتے ہیں اور وقف نہیں کرتے۔اعراب القرآن کے حوالے سے کافی آیات ایسی بھی ہیں جن کا اعراب کافی مشکل ہے اعراب کی وجہ سے ان کا معنی اور حکم بھی کافی مشکل ہو جاتا ہے۔سورۃ المائدۃ کی آیات نمبر ۱۰۶ تا ۱۰۸ یہ تین آیتیں اس حوالے سے اس کی مثال بنتی ہیں۔"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ فَإِنْ عُثِرَ عَلَى أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَى وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ "[16]

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں:"قال الزجاج في المعاني هذه الآيات الثلاث من أشكل ما في القرآن إعراباً وحكماً ومعناً"[17] یعنی زجاج کہتے ہیں کہ یہ تینوں آیات قرآن کی سب سے مشکل آیات ہیں،ان میں اعراب معانی اور حکم یہ چیزیں کافی مشکل ہیں۔

مشہور وشاذلغات:

اعراب میں جہاں تک لغات کی بات کی جاتی ہے تو وہاں پر بعض اوقات شاذ لغات بھی ہوتی ہیں،یعنی ان لغات کا وقوع بہت کم ہوتا ہے یا وہ کسی قاعدہ قانون کے مطابق نہیں ہوتی اس کی مثال درج ذیل ہے:لفظ **(افك)** اس کی مثال ہے۔اس میں قراۃ مشہور بھی ہے اور قراۃ شاذہ بھی۔

افك میں قراءۃ مشہورہ

"قوله الإفك والأفك بمنزلة النجس والنجس أي هما في الاسم لغتان بكسر الهمزة وسكون الفاء وهي المشهورة"۔[18] یعنی الافك میں دو لغات میں ایک ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور "فا" کے سکون کے ساتھ اور یہ مشہور قرأت ہے اور اس کی شاذ لغت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مشہور لغت تو ہمزہ کی زیر کے ساتھ ہے اور فا کے جزم کے ساتھ اور اگر اس کے اوپر تین زبر آجائیں تو یہ قرأت شاذ ہے۔اسی لفظ (الإفك) کی لغات کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: "أنهما لغتان (الأولى) الأفك بكسر الهمزة وسكون الفاء كالنجس بكسر النون وسكون الجيم، (والثانية) الأفك، بفتح الهمزة والفاء معا كالنجس، بفتحتين (والأولى هي اللغة المشهورة)"[19] مزید فرماتے ہیں: "قرىء في المشهور إفكهم بكسر الهمزة وسكون وقرىء في الشاذ أفكهم، بفتح الهمزة والفاء والكاف جميعا على أنه فعل ماض وقرىء أيضا وأفكهم بتشديد الفاء وآفكهم بمد الهمزة وفتح الفاء أي جعلهم آفكين وآفكهم بالمد وكسر الفاء"[20] وہ فرماتے ہیں کہ اس میں دو لغات ہیں پہلی ھمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور فاء کے سکون کے ساتھ ہے افک جیسے نجس نون کے کسرہ اور جیم کے سکون کے ساتھ اور دوسری (اَفَك) یعنی ھمزہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جیسے نجس پہلی لغت لغت مشہور ہے۔اسی طرح مزید فرماتے ہیں افکھم اس میں چار لغتیں ہیں: اِفْکھم: ھمزہ کے کسرہ اور فاء کے سکون کے ساتھ یہ مشہور لغات ہے۔اَفَکَھم: ھمزہ کے فتح اور فاء کاف سب کے فتحہ کے ساتھ یہ شاذ لغات ہے۔اَفَّکھم: فاء کی تشدید کے ساتھ مبالغہ کے ساتھ اور ھمزہ کے مد کے ساتھ اور فا کے فتح کے ساتھ بھی یہ تیسری قرأت ہے۔اِفْکُھُم: بكسر الهمزة وسكون الفاء یہ مشہور قرأت ہے۔مذکورہ بالا وذالك افكهم کی لغات میں جو کہ اس آیت وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ[21] اس آیت مقدسہ میں لفظ ((افكهم)) کی چار لغات کا ذکر علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے۔جن میں عکرمہ، ابن عباس، ابن زبیر اور ایک شاذ لغت کا ذکر کیا ہے۔ایک مشہور لغات کا بھی ذکر کیا ہے۔

فداء لك کا اعراب:

علامہ بدرالدین عینی اس لفظ کا اعراب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "((فداء لك)) بكسر الفاء وبالمد وحكى ابن التين فدى لك بفتح الفاء مع القصر وزعم أنه هنا بكسر الفاء مع القصر لضرورة الوزن وليس كما قال وقال المازري لا يقال لله فدى لك لأنه إنما يستعمل في مكروه يتوقع حلوله بالشخص"[22] فاء کے کسرہ کے ساتھ اور مد کے ساتھ (فدآء لک) اور ابن تین نے فاء کے فتحہ کے ساتھ اور قصر کے ساتھ اس کو پڑھا ہے۔(فداءلک) وزن کی ضرورت کی وجہ سے گویا کہ اس لفظ کے اعراب میں مد، قصر اور ضرورۃ وزن کی وجہ سے اعراب میں اختلاف ہے۔((**فداءلك**)) کے اعراب کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "و اما قوله فداء فهو بكسر الفاء وبالمد وحكى

ابن التين فتح اوله مع القصر وزعم انهھنا بالكسر مع القصر بضرورة الوزن ولم يصب فى ذٰلک فانه لا تيزن اِلا بالمد۔"[23]ان کا قول((**فداء**)) یہ فاء کے کسرہ اور مد کے ساتھ ہے ابن التین نے کہا فاء کے فتح کے ساتھ اور فاء بالقصر ہے اور کبھی یہ بھی یہاں گمان ہوتا ہے کہ ضرورت وزن کی وجہ سے فاء کسرہ کے ساتھ ہو اور قصر ہو پہلی صورت میں ((**فِدَآءٌ**)) دوسری میں **فَدَاءٌ** اور تیسری صورت میں **فِدَاء** ٌ ہے۔

فهل من مدكر میں مدکر کا اعراب:

مدکر کے اعراب کے بارے میں ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ دال میں تشدید کے ساتھ ہے۔ اور لفظ مدکر کی اصل مذتکر ہے باب افتعال سے دال اور ت آپس قریب المخرج تھے توت کو دال میں تبدیل کیا اور پھر دال کا دال میں ادغام کر دیا۔ یعنی مذتکر سے مدذکر پھر مدّکر[24] اس اعراب کا علامہ بدرالدین عینی کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:" قوله: (هل من مذكر أو مذكر) أي: من مذكر بالذال المعجمة أو مدكر بالدال المهملة، وأصل مذكر مذتكر بتاء الافتعال بعد الدال المعجمة فأبدلت التاء دالا مهملة فصار مذدكر بالذال المعجمة بعدها الدال المهملة ثم أبدلت المعجمة مهملة ثم أدغمت الدال المهملة في الدال المهملة لاجتماع الحرفين المتماثلين فافهم. قوله: (دالا) أي: مدكر بالدال المهملة لا بالمعجمة" اس حوالے سے علامہ بدرالدین عینی ارشاد فرماتے ہیں:"فی الدال فصار مدکر "مدکر اصل میں دال کی تشدید اور میم کے ضمہ کے ساتھ اور کاف کے کسرہ کے ساتھ کیونکہ مدکر اصل میں ذال معجمہ کے ساتھ باب افتعال ہے پس پھر وہ اذتکر ہوگیا اور یہ باب افتعال کا فاعل ہے مذتکر تاء کو دال کے ساتھ بدل دیا تو وہ مدکر ہوگیا پھر ذال معجمہ کو مھملہ کے ساتھ اور معجمہ کو دال کے ساتھ بدل دیا پھر دال کا ذال میں ادغام کر دیا تو وہ مدکر ہوگیا۔ علامہ عینی اس کو مدتکر باب افتعال کا اسم فاعل گردانتے ہیں پھر وہ اس کی تعلیل کرتے ہیں۔ اختلاف اعراب کی صورت میں ترجیح لسان قریش کو دی جائے: جب کسی لفظ کے اعراب میں اختلاف ہوجائے تو اسلام میں اس اختلاف کا حل بھی بتایا گیا ہے کہ اختلاف اعراب کی صورت میں کیا کرنا چاہئے علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: "وقال أبو الحسن إذا اختلفتم في إعرابه ولا يبعد أنه أراد بالوجهين ألا ترى أن لغة أهل الحجاز ما هذا بشرا ولغة تميم بشر قوله فاكتبوه أي فاكتبوا الذي اختلفتم فيه بلسان قريش لقوله تعالىوما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه"[25] ابو الحسن فرماتے ہیں کہ جب اعراب میں اختلاف ہوجائے اور دونوں وجوہ میں سے کسی ایک کو ترجیح ممکن نہ ہو تو پھر اس اختلاف کی صورت میں لسان قریش کا لحاظ کیا جائے گا کیونکہ ہر رسول کو اس کی اپنی قوم کی زبان میں بھیجا جاتا ہے

غریب الفاظ کا اعراب :

اعراب القرآن ولغات القرآن کا ایک اہم موضوع الفاظ غریبہ بھی ہیں جس کی تعریف میں علامہ ابن حجر عسقلانی یوں فرماتے ہیں "على عادته في تفسير اللفظة الغريبة من القرآن إذا وافقت لفظة من الحديث"[26]قرآن میں سے غریب الفاظ کی تفسیر عادۃ اس صورت میں ممکن ہو جب وہ لفظ حدیث کے موافق ہو۔ غریب الفاظ کی مثال: "فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ"[27]اس آیت مبارکہ میں ایک لفظ فطوعت ہے اس کو غریب لفظ کہا جاتا ہے اس کے اعراب کی وضاحت کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی ارشاد فرماتے ہیں "فطوعت بمعنى طاعت لَهُ نَفسه قَوْله طاعت نَفسه، بِالْألف لُغَة فِي طاعت نَفسه، بِلا ألف قَوْله طعت، يقال عند الاخبار عن نفسه طعت يعنى فلَانا، بِكَسْر الطَّاء وَيُقَال طعت بِضَم الطَّاء."[28]**فطوعت** لفظ ایک غریب لفظ ہے کیونکہ اس کے اعراب میں مختلف شکلیں جنم لیتی ہیں یہ کہ اطاعت تھا الف کے ساتھ یا پھر طاعت تھا یا بلا الف طعت تھا اور کچھ کے نزدیک طاء کے کسرہ کے ساتھ طعت یا پھر طاء کے ضمہ کے ساتھ طعت تھا۔ جبکہ اس لفظ کی تشریح میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ ابن تین نے کہا کہ جب کسی کا حکم بجالائے تو کہتے ہیں اطاعہ اور جب کوئی کام اس کے موافق ہو تو کہا جاتا ہے طاوعہ اور ازہری نے کہا کہ یہ طوع نقیض کرہ کی ہے اور طاع لہ کے معنی میں فرمانبردار ہو اور کہا یعقوب بن سکین نے کہ طاع اور اطاع کے ایک معنی ہیں اور حاصل یہ ہے کہ طاع او اطاع ہر ایک دونوں میں سے استعمال کیا جاسکتا ہے یہ لازم اور معتدی یا تو ایک ساتھ معنی کے جیسے مثل بدء اللہ الخلق اور ابداءہ کی اور یا داخل ہوتا ہے ہمزہ واسطے متعدی کرنے اور لازم میں واسطے کے یا ہمزہ کے ساتھ متعدی ہونا اور فعل کے معنی کو جو لازم ہے اس لئے کہ اکثر لغت کے علماء نے اطاعت کے ساتھ نرمی کے معنی اور انقاد کے یعنی فرمانبردار کے معنی میں تفسیر کی ہے اور یہی لائق ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس جگہ ثلاثی میں یہ لفظ لازم ہوتا ہے اور رباعی میں متعدی ہوتا ہے اور طعت اول طاء کے پیش کے ساتھ اور ساتھ کے طاء کے زیر اور تیسرا طاء کے زبر کے ساتھ یا ہمزہ کے ساتھ یعنی یہ لفظ تینوں طرح آیا ہے۔[29]

ننسا‌ها کا اعراب:

اس کے اعراب میں بھی اختلاف ہے علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔"بِفَتْح النُّون الأولى من النسي وَهُوَ التَّأْخِير لَا إِلَى بدل، وقرىء ننسها، بِضَم النُّون الأولى وَكسر السِّين: من الإنساء، وَهُوَ أَن يذهب بحفظها من الْقُلُوب، وقرىء: وننسها، بِضَم النُّون الأولى وَفتحالثَّانِيَة وَكسر السِّين الْمُشَدّدَة، وقرىء: وتنسها، بِفَتْح التَّاء للخطاب وَسُكُون النُّون، وقرىء: وتنسها، بِضَم التَّاء على صِيغَة الْمَجْهُول"[30]اس کی اعراب میں کئی قول ہیں

علامہ عینی کے نزدیک مشہور قول یہی ہے نون کے فتحہ کے ساتھ اور سین کے فتح کے ساتھ لیکن اس میں دوسرے اعراب بھی ہیں۔ نون کے ضمہ کے ساتھ اور سین کے کسرہ کے ساتھ نون کے ضمہ کے ساتھ اور سین کے فتحہ کے ساتھ نون کے ضمہ کے ساتھ اور سین کے کسرہ کے ساتھ اور سین مشدد ہوگا۔ اس کو **تنسها** بھی پڑھا گیا تا کے فتحہ کے ساتھ نون کے سکون کے ساتھ اور صیغہ مجہول پر تا کہ ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کے اعراب کے بارے میں ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "بضم أوله وكسر السين بغير همز ولغيره ننسأها والأول قراءة الأكثر واختارها أبو عبيدةوعليهأكثر المفسرين والثانية قراءة بن كثير وأبي عمرو وطائفة وفيها قراءات أخرى في الشواذ--- وهذا يرجح رواية من قرأ بفتح أوله وبالهمزوأما قراءة من قرأ بضم أوله فمن النسيان "۔[31] پہلے کے ضمہ کے ساتھ سین کے کسرہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے یہی مشہور قول ہے اور اسی کو ابوعبیدہ نے اختیار کیا اکثر مفسرین اسی قول پر ہے اور یہی قول راجح ہے ان سے جس میں اول کو فتحہ ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے قراءت میں اول کو ضمہ دیتے ہیں یہ سب روایتیں شاذ ہیں۔

غير اولى الضرر کا اعراب:

اس آیت مبارکہ میں لفظ غیر کے اعراب میں مختلف اقوال ہیں: ابن کثیر ابو عمر اس کو القاعدون پر بدل بناتے ہیں اور اس کو رفع کے ساتھ یعنی **غَيْرُ** پڑھتے ہیں **امام اعمش للمومنین** کی صفت بنا کر اس کو جر کے ساتھ غَيْرِ پڑھتے ہیں باقی لوگ اس کو نصب کے ساتھ پڑھتے **غَيْرَ** ہیں۔ اس کے اعراب کو علامہ بدرالدین عینی نے کچھ یوں بیان کیا :"واختلف القراء في إعراب غير فقرأ ابن كثير وأبو عمرو وعاصم بالرفع على البدل من القاعدون وقرأ الأعمش بالجر على الصفة للمؤمنين وقرأ الباقون بالنصب على الاستثناء"[32] قراء نے اس کی اعراب میں اختلاف کیا ابن کثیر ابو عمر اور عامر نے اس کو غیر رفع کے ساتھ پڑھا ہے وہ القاعدون پر بدل کرتے ہیں جبکہ اور اعمش نے اس کو جر کے ساتھ غیر پڑھا ہے وہ للمؤمنین کی صفت پڑاتے ہیں جبکہ باقیوں نے نصب کے ساتھ غیر پڑھا ہے۔

بسم الله مجريها ومرسٰها کا اعراب :

الفاظ کے اعراب کے مباحث میں اس جملہ کا اعراب ایک کافی اختلاف کا باعث رہا ہے جس میں آئمہ قراء کا کافی اختلاف ہے جمہور نے اس کو میم کے ضمہ کے ساتھ یعنی مرسٰھا پڑھا ہے اور کسی نے معروف پڑھا ہے مَجرٰیھا اور کسی نے مجہول پڑھا ہے مجرَیھا۔ ان کی اعراب کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں "وفسر مجراها بضم الميم الذي هو قراءة الجمهور بقوله مدفعها وأراد به مسيرها وعن ابن عباس

مجراها حيث تجري ومرساها حيث ترسي قوله "وهو مصدر أجريت" أراد به المصدر الميمي والمصدر على بابه من أجريت إجراء قوله "وأرسيت حبست" أي معنى أرسيت حبست قوله ويقرأ مرساها يعني بفتح الميم وهي قراءة الكوفيين حمزة والكسائي وحفص عن عاصم"[33] مزید فرماتے ہیں: "تقرأ بضم الميم فيهما وهي قراءة يحيى بن وثاب ـ والمعنى الله مجريها ومرسيها (فالأول) من الإجراء (والثاني) من الإرساء قوله ــ من فعل بها بصيغة المعلوم والمجهول يرجع إلى القراءتين ففي قراءة بفتح الميم بصيغة المعلوم وفي قراءة بلفظ الفاعل بصيغة المجهول"[34] علامہ ابن حجر عسقلانی اس کی قراءت کے بارے میں لکھتے ہیں: "الذي قرأ بضم الميم في مجراها الجمهور وقرأ الكوفيون حمزة والكسائي وحفص عن عاصم بالفتح، وأبو بكر عن عاصم كالجمهور وقرءوا كلهم في المشهور بالضم في مرساها وعن بن مسعود فتحها أيضا رواه سعيد بن منصور بإسناد حسن وفي قراءة يحيى بن وثاب مجريها ومرسيها بضم أولهما وكسر الراء والسين"[35] جمہور نے اس کو میم کی ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی مجریھا اور کوفے والے اس کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور مرسھا میں مشہور سب کے نزدیک پیش میم کا ہے لیکن ابن مسعود کے نزدیک زبر کے ساتھ ہے۔

مفرطون کا اعراب :

لفظ **مفرطون** میں راء کی اعراب پر اختلاف پایا جاتا ہے کسی نے راء کی فتح کے ساتھ اس کو پڑھا اور کسی نے کسرہ کے ساتھ اس کی اعراب کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں "وقرأ الجمهور بتخفيف الراء وفتحها، وقرأها نافع بكسرها، وهو من الإفراط، وقرأها أبو جعفر بن القعقاع بكسر الراء المشددة "[36] مفرطون کو جمہور نے راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے نافع نے کسرہ کے ساتھ اور ابو جعفر نے راء مشددہ کے ساتھ اس کو پڑھا ہے جبکہ اس کے اعراب کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں :"قلت وهذا كله على قراءة الجمهور بتخفيف الراء وفتحها وقرأها نافع بكسره وهو من الإفراط وقرأها أبو جعفر بن القعقاع بفتح الفاء وتشديد الراء مكسورة"[37] تخفیف راء کے ساتھ یہ جمہور کے قراءت ہے اور وہ فتح کے ساتھ ہے اور امام نافع نے اس کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جعفر بن قعقاع نے فاء کے زبر اور راء مکسورہ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ[38] میں یدعون کا اعراب:

اس آیت مبارکہ میں یدعون کے اعراب میں اختلاف ہے کچھ لوگوں نے یدعون اور کچھ نے اس کو تدعون پڑھا ہے ۔ اس کے اعراب کے حوالے سے ابن حجر عسقلانی کچھ یوں فرماتے ہیں۔" مفعول یدعون محذوف تقدیرہ اولئک الذین یدعونہم آلہۃ وقرا ابن مسعود تدعون"[39] یدعون کا مفعول محذوف ہے اس کی تقدیر اولئک الذین یدعون لم آلھۃ اس کو ابن مسعود نے تدعون پڑھا ہے۔ جبکہ اس کے اعراب کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔ "يدعون محذوف تقديره أولئك الذين يدعونهم آلهة يبتغون إلى ربهم الوسيلة"۔[40]

ازدجر کے اعراب میں اختلاف :

ازدجر کے اعراب میں اختلاف ہے اس حیثیت سے کہ یہ کس سے مشتق ہے کچھ نے اس کا اشتقاق الزجر بنایا ہے اور کچھ نے زجرت بنایا ہے علامہ بدرالدین عینی اس کے اعراب کے بارے میں لکھتے ہیں "لأن أصله ازتجر. فقلبت التاء دالا فصار ازدجر، وهو من الزجر وليس من زجرت لأن الفعل لا يشتق من الفعل بل يشتق من المصدر".[41] اور علامہ ابن حجر عسقلانی اس کی بارے میں لکھتے ہیں ۔ ازدجر افتعال ہے زجرت سے یعنی تاء افعال کو دال سے بدل دیا۔[42] گویا کہ فرق یہ ہوا کہ علامہ بدرالدین اس لفظ کو مصدر سے مشتق جانتے ہیں یعنی الزجر سے مشتق جانتے ہیں جبکہ علامہ بدرالدین زجرت سے مشتق جانتے ہیں۔

فهل من مدكر كا اعراب:

مدکر کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ **مدکر** کا اصل مذتکر ہے ساتھ ذال معجمہ کے بعد تاء کے ساتھ پھر تاء کو دال مہملہ کے ساتھ تبدیل کیا گیا پھر ذال کو بھی دال کے ساتھ بدل دیا گیا کیونکہ وہ دونوں قریب المخرج ہے پھر ان کا آپس میں ادغام کر دیا گیا۔[43] جبکہ اس کے اعراب اور تعلیل کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں "(هل من مذكر أو مذكر) أي: من مذكر بالذال المعجمة أو مدكر بالدال المهملة، وأصل مذكر مذتكر بتاء الافتعال بعد الدال المعجمة فأبدلت التاء دالا مهملة فصار مذدكر بالذال المعجمة بعدها الدال المهملة ثم أبدلت المعجمة مهملة ثم أدغمت الدال المهملة في الدال المهملة لاجتماع الحرفين المتماثلين فافهم. قوله: (دالا) أي: مذكر بالدال المهملة لا بالمعجمة"[44] **مدکر** (مذکر) ذال معجمہ سے ہے یا مدکر دا مہملہ سے ہے اور مذکر کی اصل مذتکر بتاء افتعال ذال معجمہ کے ساتھ پھر تاء دال معجمہ سے تبدیل کر لیا گیا تو وہ مذکر ہو گیا پھر ذال معجمہ کو دال مہملہ سے تبدیل کر کے دال کا دال میں ادغام کر دیا گیا کیونکہ دونوں حروفوں میں مماثلت ہے۔

خلاصہ البحث :

جہاں اعراب اور لغات کا معنی مفہوم بیان کیا گیا ہے وہاں لغات القرآن کی چند مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں، لغت و محاورات کو بیان کیا گیا ہے پھر فتح الباری اور عمدۃ القاری کی روشنی میں مباحث اعراب القرآن کی امثلہ بیان کر کے ان کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً (فداء لک) اس آیت مقدسہ میں فداء لفظ کے اعراب میں دونوں کا اختلاف ہے علامہ بدرالدین عینی نے اس میں دو اعراب فدآء اور فدء جبکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فدآء اور فدآء اور فدء کے تین اعراب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح (ننساھا) کے اعراب میں بھی اختلاف ہے علامہ بدرالدین عینی نے اس کو تین طرح پڑھا ہے نون کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ یعنی ننساھانون کے ضمہ اور سین کے فتحہ کے ساتھ نون کے ضمہ اور سین مشدد کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ کے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو ایک عراب کے ساتھ پڑھا ہے یعنی نون کے ضمہ کے ساتھ اور سین کے کسرہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے اور باقی ساری لغات کو شاذ مانتے ہیں اسی طرح کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں۔

حوالہ جات:

1- روزنامہ جنگ لاہور- 15 اپریل 2005ء
[2]- علامہ اقبال،ضرب کلیم،اجتہاد،اقبال اکادمی لاہور،2002،ص:98
[3]- علامہ اقبال، ارمغان حجاز (اردو) نظم حسین احمد،اقبال اکادمی. لاہور،ص:121
[4] - ۔اقبال،جاوید نامہ،اقبال اکادمی لاہور،ص: 201.
[5]- الثعالبي،ابوزيد،الجواهر الحسان في تفسير القرآن،دار إحياء التراث العربي - بيروت- 1418 ہ،ج:1،ص:58
[6] - الدهلوي،ولي الله،الفوز الكبير في أصول التفسير،دار الصحوة القاهرة،1407-1986، ص:181
[7] - عطار، أحمد عبد الغفور ، مقدمة الصحاح، ، دار العلم للملايين، بيروت، 1399ھ - 1979ء ص: 43
8- سيوطي،جلال الدين،بغية الوعاة في طبقات اللغويين, دار إحياء التراث العربي - بيروت ،ج:ص:141
[9]- عيني ،بدرالدين،عمدة القارى شرح صحيح البخارى،دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان ، ج:1،ص:201

[10]- ایضاً، :1ج،ص:227
[11]- ایضاً، ج:1،ص:229
[12]- ابن حجر، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی العسقلانی,فتح الباری ، ، مکتبہ دارالفیحاء للطباعة و النشر والتوزیغ، دمشق،شام ،ج:1،ص:

[13]- فتح الباری، 2 / 668
[14]- ایضاً، 2 / 668

[15]. عمدة القارى، 4 / 53
[16]. المائدة 5: 106- 108
[17]. فتح البارى، 5 / 501
[18]. فتح البارى، 7 / 542
[19]. عمدة القارى - 9 / 307
[20]. عمدة القارى، 9 / 203
[21]. الاحقاف46:28
[22]. عمدة القارى، 9 / 235
[23]. فتح البارى، 7 / 579
[24] عمدة القارى، 6 / 448
[25]. عمدةالقارى، ج 8، ص 78
[26]. فتح البارى، ج 8، ص 80
[27] . المائدة 5: 30
[28] . عمدةالقارى،ج،9 ص 5
[29]. فتح البارى، ج 8، ص 11
[30]. عمدةالقارى، ج 9، ص90
[31]. فتح البارى، ج ،8 ,ص209
[32] . عمدة القارى، ج 9 ,ص 186
[33] . عمدة القارى، ج 9 ,ص292
[34]. ايضاً
[35] . فتح البارى، ج 8، ص 41
[36]. عمدةالقارى، ج 10، ص16
[37] . فتح البارى، ج 8، ص 489
[38]. الاسراء۱۷:۵۷
[39]. فتح البارى، ج8، ص650
[40] . عمدةالقارى ج 10 ,ص 291
[41]. عمدةالقارى ج 10 ,ص 206
[42]. فتح البارى ج 8 ,ص78
[43]. فتح البارى ج 8 ,ص787
[44]. عمدةالقارى ج 10 ,ص209